بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختلافِ امت اور علماء کی ذمہ داری

محمد توصیف انصاری قاسمی

استاذ معہد الشریعہ لکھنو

Tauseefhaqqi@gmail.com

اسلام کا اصلِ اصول قرآن مجید ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، باری عزوجل نے اسے اتارا ہے جسے ''کتاب'' کا نام بھی دیا ہے، ذلک الکتاب لا ریب فیہ. قرآن کے نام سے بھی اسے موسوم کیا ہے:

واوحی الیّ ھذا القرآن لأنذرکم بہ و من بلغ.

اور بھی نام ہیں جو صاحبِ کلام نے عطا کیا ہے، فرقان:

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً.

دراصل تو یہ ہماری اصل و مشعل اللہ تعالیٰ کا '' کلام'' ہے، جو حروف کے کتابت کر کے ''کتاب'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، اس کی خاصیت ونوعیت کے لحاظ سے اس کے دو نام ہیں ایک ''قرآن'' جو ہی تقریباً رائج ہے، جس کے معنی ہیں جوڑنا، ملانا، ایک دوسرا نام بھی اس کا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے ''فرقان'' جس کے معنی ہیں فرق کرنا، اور جدا کرنا، اسکے علاوہ بھی قرآن کے متعدد نام ہیں، بات یہ ہے کہ جس طرح سے یہ قرآن ہے، یعنی حق اور حق کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرنے والی کتاب اور وہ حق اشخاص و افراد میں ہو، اقوام میں ہو، افکار میں ہو، راہ میں ہو، مقاصد وغیرہ میں جو حق ہیں، حق کے دائرہ نما سے میل کھاتے ہیں، ان کو آپس میں ملانے کا کام اس کتاب کا ہے، لیکن صرف ملانا ہی نہیں بلکہ جب حق سے مقابلہ باطل کرنے لگے تو یہ کتاب فارق بن جاتی ہے، حق اور باطل کے مابین خطِ فاصل بن جاتی ہے دونوں کو ملنے نہیں دیتی۔

علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ما کان وما یکون کا علم ہے، بہت ساری مصلحتوں، حکمتوں، نیز آزمائش کے تحت خالقیت ومالکیت کی بنا پر بہت ساری باتوں کو اس طرح مبہم بیان کیا گیا کہ بتائی، سکھلائی گئی باتوں پر انسان اکتفاء کر کے نہ بیٹھ جائے بلکہ اپنے عقل کو بھی کام میں لائے اور جو کام کرے علیٰ وجہ البصیرت کرے، پھر جب انسانی عقل کام میں لانے کی ذرا بھی گنجائش ملی تو یہ بھی کرشمۂ قدرت ہے کہ اذہان وعقول کے حدت وشدت میں متحیر العقول فرق ہے ہر ایک اپنے عقل وذہانت کو کام میں لا کر وہ کچھ کر سکتا ہے، کہ جو دوسرے سے کسی درجہ کم نہیں ،بس یہی اختلاف کا پس منظر ہے۔

جو لوگ اختلاف کے دشمن ہیں، یا اختلاف میں صرف اپنی ہی رائے پر مصر ہیں ان کی حالت یہ کہتی ہے کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم- زیرا ختلاف مسئلہ- ان کی رائے کا محتاج ہے، ورنہ اس پر عمل دشوار ہے۔

اسلام بمقابلہ دیگر ادیان اسی طرح اسلام کے عقائد اصلیہ بمقابلہ کفریہ و بدعیہ عقائد ان دونوں ہی دلائل کو خوب صریح صحیح بیان فرما دیا اور

کسی طرح کا کوئی خفاا ب ان میں باقی نہیں، اور نہ ان میں اجتہادی شہسواری کی ضرورت رہ گئی ہے، اسلامی عقائد اور ضروریات دین روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اب اتنے وضوح اور تبیین کے بعد بھی اس میں اپنی رائے کو دخل مداخلت فی الدین اور صریح بدعت ہے، عقائد اور ضروریات دین میں اب کسی طرح کے اجتہاد کی گنجائش نہیں، انتہائی محدود چند مسائل ایسے ہیں اس باب میں جواز قبیل فرعیات ہیں، تاہم ان میں جو سابق مجتہدین اور اکابر امت کا موقف ہے یعنی عدم تعصب اور مسامحت بس وہی کافی ہے، اب اس قسم کے مسائل میں شدت کی بھی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ جو منقول چلا آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فروعی مسائل کے ابواب میں ہر ہر مسئلہ پر صریح اور صحیح دلیل نازل فرما دیتے، جو ہر بڑے چھوٹے، عالم جاہل کے فہم وادراک میں یکساں اتر جاتی جس طرح سے عقائد اور ضروریات دین کے باب میں کیا گیا، لیکن ایسا ہوا نہیں، ایک بہت بڑی اور اہم حکمت وراز جو اس کے در پردہ ہے- اس کی اصل حقیقت اور اس کے علاوہ اس کی مرضی ومنشاء وہ خود ہی جاننے والا ہے، اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں سوائے اس کہ اس نے کسی کو کوئی بات بتلا دی ہے- وہ ہے رفع درجات ہے، اس اختلاف کے رہتے مسلمان ان تین ہی اقسام میں منحصر ہے۔

(۱) بے عمل یا بدعمل (۲) عامل (۳) محسن العمل

اللہ تعالیٰ کی احکام کی بجا آوری سے فرار کرنے والا بے عمل ہے یا بدعمل ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے اجتہاد سے عمل کیا اور اجتہاد خطا کر گیا اور عمل کے درجے میں یہ شخص کامیاب ہے کہ اس نے وہ کر دکھایا جو اس سے کہا گیا اگر مراد کو پانے میں اس سے چوک ہوگئی، تیسرا وہ شخص جس اجتہاد کیا اور اس کا اجتہاد صحیح بھی نکلا تو یہ محسن العمل ہے کہ جو منشاء ومراد تھا اسے پا بھی لیا۔

اختلاف کی تعریف

بندے کے نزدیک اختلاف کی حقیقت پر گفتگو کرنے سے پہلے اختلاف کی مختار تعریف کا انتخاب ضروری ہے، متقدمین نے بھی تعریفات کی ہیں، تاہم ان کی تعریفات اپنے اپنے انداز میں واضح اور مبرہن ہیں، لیکن جب تک اختلاف کو ان لوگوں کے درمیان رکھا جائے جو اختلاف کے لئے صالح اور اہل ہیں اس وقت تک تو وہ اختلاف اختلاف شرعی اور حدود وآداب میں رہے گا، اور جب یہ اختلاف نا اہل اور جہلاء کے درمیان میں پہونچ جائے گا اس کا وہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا جو آج ہمارے سارے نظر آ رہا ہے، کہ ہر خاص وعام بلا تمیز شخصے کسی بھی اختلاف کرنے کا خواہاں ہے، نیز اپنے اختلاف مذموم کی بنا پر کسی بھی حد سے گذرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اس لئے جب اختلاف کی تعریف پر غور کیا جائے گا تو یہ خود بخود عیاں ہو جائے گا کہ کہاں اختلاف شرعی اور محمود ہے کہ اس کو اختلاف کا درجہ صحیح دیا جائے اور کہاں منازعت محض۔

''فقہ الاختلاف'' کے حوالے سے ''اختلاف التنوع'' کے مصنف نے ایک تعریف نقل کی ہے:

''أن یذهب کل عالم الیٰ خلاف ماذهب الیه الآخر.''

(اختلاف التنوع: ص ۱۸)

ایک تعریف مصنف نے خود اپنی کی ہے:

''تعدد اقوال المجتهدین فی المسائل العملية الفرعية التی لم یدل علیه دلیل قاطع علیٰ حکمها.''

(اختلاف التنوع: ص ۱۹)

واضح ہو کہ یہ تعریف انہوں نے صرف فروعی اختلاف کے پیشِ نظر کی ہے، اور ذرا سے تغیر سے اسے عقائد کے اختلاف میں منتقل کیا جا سکتا ہے ''العملیۃ الفرعیۃ'' کے بجائے ''العقلیۃ'' یا ''الاصلیۃ العلمیۃ'' کر دیں تو یہ تعریف عقائد کے باب کی ہو جائے گی۔

ان دونوں تعریفات میں مشترکہ طور پر ملحوظہ میں علماء کی خدمت میں یہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ان تعریفات میں اختلاف کو عالم ومجتہد کی طرف منسوب کیا ہے، عالم ومجتہد کے مابین ہمارے اس زمانے میں بہت فرق ہے، ورنہ پہلے کوئی فرق نہیں تھا، اب چاہے یہاں عالم، محقق، مجتہد کسی بھی رتبہ کا ہو، کسی بھی تعبیر کو اپنایئے مقصد اس کا یہ ہے کہ اختلاف اُس کا اختلاف کہلائے گا جسے دلیل کا علم ہو، اور وہ اختلاف کرنے کا مستحق بھی ہو، ورنہ آج کے اختلاف کی جو نوعیت ہے، محض رسمِ جاہلانہ، بے علم مباحثہ، جو تکرار نہیں، مغالبہ کی نیت سے ہوتا ہے، صرف بے دلیل ہی شخص ایسی حد تک پہونچتا ہے، کیونکہ اسے خود بھی پتہ ہے کہ اسے دلیل کی دال نہیں معلوم، تب بھی آر پار کی لڑائی کر رہا ہے، ذاتی کبر سے گر چہ وہ پاک ہو لیکن بغیر علم کے اپنے مسلک ومشرب کی تائید کرنا مسلکی کبر وگروہی کبر ہے۔

بندہ اس عنوان سے یہ توجہ دلانا چاہتا ہے کہ اتباع وتقلید کے باب میں تین اہم درجات ہیں جن میں اور اقسام بھی آ جاتی ہیں: ۱) مجتہد (۲) محقق (۳) مقلد، عمل کے باب میں سب کے سب یکساں ہیں، بس نوعیت میں فرقِ مراتب ہے، کچھ اصالۃً عامل بالشریعہ ہیں، کچھ اتباعاً عامل بالشریعۃ ہیں، جو اصالۃً عامل ہیں وہ دلائل کو جانتے ہیں ان کی حقیقت وحیثیت ومراتب کو سمجھتے ہیں، فرقِ مراتب کے لحاظ سے وہ مناقشہ میں اس کا لحاظ کرتے ہیں۔

لیکن جو دلائل سے نابلد ہوں وہ کیونکر اس کا اہل ہو گیا کہ وہ اپنے غیر مسلک ومشرب کا رد کر سکے، ایسا شخص علم کی اہانت کا مرتکب ہے، جو تعریفات اوپر ذکر کی گئیں ہیں، ان میں تو صراحتاً یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اختلاف علماء کا اختلاف کہلاتا ہے، کسی نااہل بے علم کا اختلاف، اختلافِ اصطلاحی ہے ہی نہیں، وہ منازعت للھویٰ اور نفس پرستی، مغالبہ اور گروہی ومسلکی کبر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہے۔

متقدمین کی تعریف میں علماء یا مجتہدین کی قید اختلاف یا اجتہاد کی تعریف میں اکثر نے نہیں لکھی ہے، تاہم ان کے نہ لکھنے سے بھی بے علم، جنہیں دلائل کا علم نہیں اس میں داخل نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی تعریف عام ہے اور عام سے دو طرح کی تخصیص ہوتی ہے، لأ جل قرینۃٍ یا لأ جل دلیلٍ۔

قرینہ کی بنیاد پر جو تخصیص ہوا کرتی ہے وہ دلائل سے بالاتر ہوتی ہے، قرائن میں عادت عقل، حس وغیرہ سے تخصیص ہوتی ہے، یہ تخصیص دلیل کی تخصیص سے زیادہ قوی ہوتی ہے، کیونکہ دلیل میں احتمال رہتا ہے کہ پھر کسی دوسری دلیل سے تخصیص ہو جائے، لیکن قرائن سے ایک ہی مرتبہ میں تخصیص ہو جاتی ہے، حضراتِ متقدمین کی تعریفات بھی عام ہیں، جن سے مراد علماء ومجتہدین کا اختلاف ہے، اور ان کے علاوہ بے علم حضرات جنہیں دلائل سے وابستگی نہیں، شناخت نہیں جو میدان میں پیادہ پا بھی نہیں چل سکتے، اور اس کے جادۂ پیما نہیں بن سکتے وہ کیونکر میدان میں اترنے لگے۔

مجتہد حسبِ فرق مراتب اصول وفروع کا استخراج کرتا ہے، محقق وہ ہے جو کم از کم مجتہد کے دلائل سے آشنا ہو، واقف ہو، ان کی حیثیت و مراتب پر آگاہ ہو۔

مجتہد کی طرح محقق بھی متجزی ہو سکتا ہے کہ کچھ مسائل وابواب میں مجتہد ہو، اور دوسرے دیگر مسائل میں نہ ہو، لہٰذا علمائے کرام سب سے پہلے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرائیں کہ اختلاف کرنا اور دلائل سے بحث کرنا اہلِ علم وآگاہی وظیفہ ہے، آپ کا کام نہیں، آپ کے لئے فقط تحری اور اس

کے بعد عمل ہے(فروعات میں) فقط اس کے علاوہ دلائل کا تبادلہ اس پر جارحانہ مناقشہ آپ کے لئے درست نہیں ہے، اور اگر کوئی صریح سقمِ شرعی مثلاً غلبہ، کبر وانانیت، شہرت اسی طرح کلام میں حد سے تجاوز سب وشتم، اور ہتکِ اعراض میں پڑتا ہوتو صریح حرام ہونے کی وجہ سے سخت گنہ گار اور مرتکبِ کبیرہ ہے، بندہ کے خیال سے اس عنوان سے ہر مسلک ومشرب کے علماء اپنے اپنے حلقوں میں بات چلائیں تو بندہ کا تخمینہ یہ ہے کہ نصف جھگڑے تو ایسی ہی ختم ہو جائیں گے۔(واللہ المستعان)

عقلیات وفروعات

اہلِ اسلام کے مابین جو اختلاف ہے اس کے دو بڑے شعبہ ہیں ان ہی میں اختلافِ حقیقی کی تمام شکلیں دائر ہیں،(اختلافِ اضافی غیر حقیقی جو صورتاً تو اختلاف ہے، لیکن درحقیقت اختلاف نہیں)۔

ان دونوں اہم شعبہ جات کو بھی عوام وخواص میں خوب واضح کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب تک ان دونوں کی حقیقت کا پتہ نہ ہوگا اس وقت تک ان میں موجود اختلاف کی حیثیت کی رعایت ناممکن ہے، عقائد میں اختلاف کی نوعیت جدا ہے، فرعیات میں اختلاف کی نوعیت الگ، تو سب سے پہلے ضرورت ہے کہ ان کی تعریفات کو سمجھا جائے۔

تعریف العقلیات والفروعات

امام محمد غزالی شافعیؒ

والمجتهد فيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي.

احترزنا بالشرعي عن العقليات ومسائل الكلام ، فان الحق فيها واحد، والمصيب واحد، والمخطئ آثم ، وانما نعني بالمجتهد فيه مالا يكون مخطئي فيه آثماً.

ووجوب الصلوات الخمس والزكوات وما اتفقت عليه الامة من جليات الشرع فيها ادلة قطعية ياثم فيه المخالف فليس ذلك محل الاجتهاد.

(المستصفیٰ: ج۲ص۲۹۸)

سیف الدین الآمدی

واما ما فيه الاجتهاد فما كان من الاحكام الشرعيةدليله ظني.(الاحکام فی اصول الاحکام ج۴ص۳۹۸)

ابواسحٰق ابراہیم الشاطبی مالکی

محال الاجتهاد المعتبر هي ماترددت بين طرفين وضح في كل واحد منهما قصد الشارع في الاثبات في احدهماوالنفي في الآخر،فلم تنصرف البتة الى طرف النفي ولاالى طرف الاثبات.(الموافقات ۴/۱۵۵)

بدرالدین زرکشی شافعی

المجتهد فيه وهو كل حكم شرعي عملي او علمي يقصد به العلم ليس فيه دليل قطعي.

فخرج بالشرعي العقلي فالحق فيها واحد،والمراد ابالعملي ماهو كسب للمكلف

اقداما واحجاما،وبالعلمی ما تضمنه علم الاصول من المظنونات التی یستند العمل الیها،وقولنا:لیس فیها دلیل قاطع (احتراز)عما وجد فیه دذلک من الاحکام ،فانه اذاظفر فیه بالدلیل حرم الرجوع الی الظن.(البحرالمحیط ۶/ ۲۲۷)

امام رازی

وھو کل حکم شرعی لیس فیه دلیل قاطع،واحترزنابالشرعی عن العقلیات ومسائل الکلام.

وبقولنا:لیس فیه دلیل قاطعن وجوب الصلوات الخمس،والزکوات،وما اتفقت علیه الامة من جلیات الشرع.

وقال ابوالحسین البصری:المسألة الاجتھادیه ھی التی اختلف فیھا المجتھدون من الاحکام الشرعیة، وھذاضعیف جداً؛لان جواز اختلاف المجتھدین فیھا مشروط بکون المسألة اجتھادیة،فلوعرفنا کونھا اجتھادیة باختلافھم فیھا لزم الدور.(المحصول۲/۴۳۶)

حنفیہ میں ابن ہمام اورشامی کی تعریف

اس دوروالی تعریفات کے خلاف صحیح اورواضح تعریف حنفیہ نے کی ہے:

وکذا مافی الفتح عن المنتقیٰ من ان العبرة فی کون المحل مجتھدافیه اشتباه الدلیل لاحقیقة الخلاف.
(ردالمختار۸/ ۸۸)

خلاصہ

خلاصہ تعریفات یہ ہے کہ عقائدواصول میں وہ اموراخل ہیں جن کے دلائل قاطع ہیں،ثبوت دلالت میں کسی طرح کا خفاواشتباہ نہیں،اوروہ مسائل ازقبیل علم ہوں یاازقبیل عمل ہوں۔

فرعیات میں وہ مسائل علمیہ وعملیہ داخل ہیں جن کی دلیل قطعی نہیں،دلیل میں کسی طرح کا اشتباہ واحتمال موجود ہے،وہ مسائل فرعیات کی قبیل سے ہوں گے۔

فقہاءاصولیین نے عقائد کے لئے عقلیات،قطعیات،یقینیات،المسائل العلمیۃ،نظریات،اصولیات وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔
فروعی مسائل کوالمسائل العملیۃ،فرعیات،فروعات،المسائل الاجتہادیۃ،مسائل ظنیہ،مظنونات جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

تخطیہ وتصویب

عقلیات وفرعیات کی بحث کے بعدفقہاءاصولیین نے ایک باب اورباندھاہے جوآپ اپنے اہمیت رکھتا ہے،وہ ہے”کل مجتھد مصیب ام المصیب واحد “کہ ہرمجتہدحق وصواب عنداللہ کوپانے والا ہے یاان میں سے ایک صواب کوپانے والااوربقیہ خطا کرنے والے ہیں؟یادوسری تعبیر میں”الحق عنداللہ واحدام ھو حقوق “کہ مسائل مظنونہ اجتہادیہ میں منشاءخداوندی کوئی ایک ہی بات ہے یاجتنے بھی

اجتہاد ہوئی ہیں وہ سب ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد تھے؟

عقلیات کے باب میں تمام امت کا اتفاق ہے سبھی اسی کے قائل ہیں کہ عقلیات وعقائد کے اختلاف میں مصیب صرف اور صرف ایک ہی ہیبقیہ سارے خطا پر ہیں اور یہ اختلاف جیسے اہل السنۃ والجماعۃ کا اختلاف ،معتزلہ ،خوارج ،قدریہ ،مرجیہ ،رافضیہ سے ہے ،اور آج کے زمانے میں دیوبند بنام بریلوی ،مقلدین بنام غیر مقلدین ،اسی طرح دیوبند بنام مودودیت ،اہل قرآن ،اہل حدیث ،وغیرہ کے اختلافات ہیں ،ان میں بھی کچھ اختلافات تو ہیں جواز قبیل فروعات ہیں ،لیکن وہ نتیجہ ہیں عقائد میں اختلاف اور جیسا کہ اصولیین کی تصریح اور اجماع ہے کہ عقلیات کے باب میں حق ایک ہی کے یہاں ہے بقیہ سب کے سب باطل ہیں۔

گنتی کے چند نام ایسے ملتے ہیں امت میں جو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ عقائد کے باب میں بھی سب مجتہد مصیب ہیں ،گر چہ ان کے اختلاف کو کوئی حیثیت فقہاء نے نہیں دی ،اور نہ ہی بنتی ہے ،جیسے جاحظ ،بشر المریسی ،عبیداللہ بن الحسن العنبری وغیرہ کے نام ملتے ہیں جو عقائد میں بھی تصویب کے قائل ہیں کہ سب کے سب مجتہد حق اور صواب پر ہیں۔

بہر حال عقائد کے باب میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جو اس اختلاف میں اہل وصالح ہو اور تمام قسم کے عقائد کو صحیح ٹھہرائے ،سارے علماء فقہاء اصولیہ بلکہ دوسرے باطل فرقے مثلاً معتزلہ وغیرہ کے بعض علماء سے بھی منقول ہے کہ وہ عقیدے میں وحدت حق کے قائل ہیں ،ایک ہی ان میں سے حق پر ہے ،باقی سب باطل پر ہیں۔

فروعات میں تخطیہ وتصویب

البتہ فروعات کے باب میں فقہاء اصولیین کا شدید اختلاف ہے کہ ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان فروعی مسائل میں مصیب ایک ہی ہے ،بقیہ مجتہدین مخطی ہیں ،جب کہ بعض دیگر اکابر امت کی اور فقہاء کی رائے یہ کہ سارے کے سارے مجتہد اصابت پر ہیں ،یعنی غیر قطعی نص سے شارع کی منشاء ومراد کو ہی پاتے ہیں ،اس سے خطا نہیں کرتے ،ائمہ اربعہ کے بارے میں بھی زبردست اختلاف ہے کہ وہ کس طرف ہیں ،مصوبہ ہیں یا مخطئہ؟

بندہ کی تحقیق یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ مخطئہ ہیں ،ان دونوں ہی حضرات سے صریح اقوال منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطئہ ہیں ورنہ ہر دو فریق مخطئہ ومصوبہ نے اپنے اقوال ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔

مخطئہ ومصوبہ کی مختصر فہرست

مناسب ہے کہ اس موقع پر ان حضرات کے اسماء درج کئے جائیں جن سے تخطیہ یا تصویب یا ان میں سے کسی ایک کی تائید منقول ہے:

مصوبہ:

(۱) امام ابوالحسن الاشعری الشافعی

(۲) قاضی ابوبکر باقلانی

(۳) علامہ شرف الدین نووی شافعی

(۴) امام محمد غزالی شافعی

(۵)ابوالفضل قاضی عیاض مالکی

(۶)ابوالعباس شہاب الدین قرافی مالکی

(۷)ابوالحسین بصری معتزلی (صاحب ''المعتمد'')

(۸)علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی

(۹)حافظ ابن عبدالبر مالکی (کمانقلہ الشعرانی فی المیزان)

(۱۰)ابوزید دبوسی حنفی

(۱۱)بدرالدین زرکشی شافعی

مخطئہ:

(۱)امام ابوالحسن ماتریدی

(۲)ابوالحسین الفراء البغوی شافعی (صاحب مصابیح السنہ)

(۳)ابوبکر جصاص رازی

(۴)ابوسلیمان محمد الخطابی (صاحب معالم السنن)

(۵)حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی

(۶)علامہ شرف الدین طیبی (شارح مشکوٰۃ)

(۷)ابواسحٰق ابراہیم فیروز آبادی شیرازی

(۸)حسین بن رشیق مالکی (اصولی)

(۹)علامہ ابن تیمیہ حنبلی

(۱۰)جلال الدین محلی شافعی

(۱۱)تاج الدین عبدالرحمٰن فرکاح شافعی

(۱۲)احمد بن علی بن برہان بغدادی (الوصول الی الاصول، اصول فقہ)

(۱۳)ملک العلماء ابوبکر سعود کاسانی حنفی

(۱۴)موفق الدین ابن قدامہ حنبلی

(۱۵)ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی

(۱۶)امام الحرمین عبدالملک الجوینی (استاذ الغزالی)

(۱۷)سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

(۱۸)حنفیہ میں تقریباً چند کے استثنائے کے علاوہ سبھی تخطئہ کے قائل ہیں

تنبیہ

اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ فقہاء اسلام کا یہ اختلاف تخطیہ وتصویب کا صرف اور صرف اس بات پر ہے کہ دلیل ظنی میں شارع کی مراد ومنشاء کیا ہے؟ صرف ایک ہی مراد ہے یا سب مراد ہیں؟ حق صرف ایک ہے یا متعدد؟

دوسری طرف تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے دوسرے کی تقلید نہیں کرسکتا، مطلب یہ کہ وہ اپنے کا اجتہاد پر عمل کا پابند ہے، صواب ہو یا خطا کیونکہ اس بات کا علم دنیا میں تو ممکن نہیں کہ صواب یا خطا کا پتہ چل جائے، اس لئے مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے اور چونکہ مقلد کی دلیل قول مجتہد ہے تو وہ بھی تقلیداً پابند ہوا۔

بعض علماء اس تخطیہ وتصویب کی بحث میں مغالطہ کا شکار ہیں کہ وہ فروعی اختلاف کی بحث کے وقت یہ کہہ دیتے ہیں کہ فروعی اختلاف کے باب میں ایک قول تصویب کا ہے اور اپنے طور پر اس کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ تخطیہ وتصویب کا مسئلہ فی العمل ہے ہی نہیں یہ تو باتفاق امت چلا ہی آرہا ہے، اس میں تصویب کی شرط اگر ہوتی تو یہ فطروعی مسائل کب کے اصولی اختلاف بن چکا ہوتا، تعامل امت خود اس کی شہادت دیتا ہے کہ عہد صحابہ سے اب تک سبھی ایک دوسرے سے مناظرہ مناقشہ فروعی مسائل پر بھی کرتے چلے آئے ہیں، لیکن ان کی بنا پر کسی کو بے یا تارک نہیں کہا گیا، اصولیہ میں یہ اختلاف اس بات پر ہے کہ آیا اللہ تعالی نے نص مظنونہ سے کوئی ایک ہی امر مراد لیا ہے یا متعدد، فقط۔

خلاصہ یہ تخطیہ وتصویب عنداللہ ہے، عندالعمل نہیں، عمل میں سب کے سب صحیح ہیں۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا تخطیہ تو کرنے کا حق رکھتا ہے لیکن اس دوسرے کے قول کا ابطال یا اس کے اتباع کرنے والوں کو اپنے عمل کی دعوت نہیں دے سکتا اور نہ ہی یہ نکیر کے دائرے میں آئے گا، علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:

وذکر اقضی القضاةابوالحسن الماوردی البصری الشافعی فی کتابه الاحکام السلطانية خلافا بين العلماء فی ان من قلده السلطان الحسبة هل له ان يحمل الناس علی مذهبه فيما اختلف فيه الفقهاء اذاکان المحتسب من اهل الاجتهاد ام لايغيرماکان علی مذهب غيره؟والاصح انه لا يغير لما ذکرناه،ولم يزل الخلاف فی الفروع بين الصحابة والتابعين فمن بعدهم رضی الله عنهم اجمعين، ولا ينکر محتسب ولاغيره علی غيره،وکذلک قالوا:ليس للمفتی ولالقاضی ان يعترض علی من خالفه اذا لم يخالف نصااو اجماعااو قياساجليا،و الله اعلم. (شرح مسلم للنوی کتاب الایمان، باب الامر بالمعروف من الایمان)

اسی سے ذرا قبل علامہ نووی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عوام الناس کے لئے جائز نہیں کہ (نہی عن المنکر سمجھ کر) اجتہادی مسائل میں دوسروں کو روک ٹوک کریں، یہ مسئلہ صرف خواص یعنی اہل علم ودانش کا فریضہ ہے:

فان کان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة کالصلوٰة والصيام والزناوالخمرونحوهافکل المسلمين علماء بها،وان کا من دقائق الافعال والاقوال ومما يتعلق بالاجتهاد لم يکن للعوام مدخل فيه ولا لهم انکاره ،بل ذلک للعلماء. (شرح مسلم للنوی کتاب الایمان، باب الامر بالمعروف من الایمان)

اور جیسا کہ مستصفی نسفی کے حوالہ سے ابن نجیم اور شامی نے نقل کیا حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے:

وقال فی آخر المستصفی:اذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفينافی الفروع يجب علينا ان نجيب :بان

مذهبنا صواب يحتمل الخطأ،ومذهب مخالفينا خطأ يحتمل الصواب،لانک لوقطعت القول لم يصح قولنا :ان المجتهد يخطئی ويصيب،واذا سالناعن معتقدناومعتقد خصومنافی العقائد يجب علينا ان نقول: الحق مانحن عليه والباطل ماعليه خصومناوهكذا نقل عن المشائخ.

(الاشباہ النظائر قسم الفوائد)

ان عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

(۱) علماء کے لئے بھی فروعی اور اجتہادی مسائل مواقع پر تعلیم تو جائز ہے، لیکن اس کی تبلیغ جائز نہیں، **الاماخالف نصا اواجماعاوقیاساجلیا۔**

(۲) عوام کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر درست ہے لیکن محرمات وواجبات ظاہرہ میں جوواضح ہیں مجتہد فیہ نہیں۔

(۳) عقائد کے باب میں کسی طرح کی ڈھیل کی اجازت نہیں، خواص کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ عقائد کے باب میں کسی طرح تسامح کریں، بے علمی میں مباحثہ بھی نہ کریں ہاں اپنے علماء سے تحقیق شدہ عقیدہ کو ہی درست سمجھیں، اور دوسرے کو اپنے حد علم دعوت دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ
کا فیصلہ تخطیہ وتصویب کے باب میں

چونکہ علماء ہند اپنی نسبت مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ کی طرف کرتے ہیں، اور اپنی اپنی فہم کے اعتبار سے ان کے اقوال کی تشریح کر کے ان کو اپنا مقتدا مانتے ہیں اور انہیں اپنے افکار، نظریات اور مسلک کا مرجع گردانتے ہیں، لہٰذا ان کا قول سب کے لئے بلاتردد قابل قبول ہوگا، حضرت تخطیہ وتصویب کے باب کا فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واذا تحقق عندک مابيناه علمت ان كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب الى صاحب الشرع عليه الصلاة والتسليمات،اما الى لفظه او الى علة ماخوذة من لفظه واذا كان الامر على ذلک ففی كل اجتهاد مقامان:

احدهما؛ ان صاحب الشرع هل اراد بكلامه هذاالمعنیٰ او غيره ،وهل نصب هذه العلة مدارافی نفسه حين ماتكلم بالحكم المنصوص عليه اولا؟

فان كان التصويب بالنظر الى هذاالمقام فاحدالمجتهدين لالعينه مصيب دون الآخر.

وثانيهما؛ان من جملة احكام الشرع انه صلى الله عليه وسلم عهد الى امته صريحااو دلالةً انه متى اختلف عليهم نصوصه اواختلف عليهم معانی نص من نصوصه فهم مامورون بالاجتهاد واستفراغ الطاقةفی معرفة ماهو الحق من ذلک ،فاذا تعين عند مجتهد شئی من ذلک وجب عليه اتباعه كما عهد اليهم انه متى اشتبه عليم القبلة فی الليلة الظلماء يجب عليهم ان يتحرواويصلوا الى جهة وقع تحريهم عليها،فهذا حكم

علقه الشرع بوجودالتحری کما علق وجوب الصلوٰۃ بالوقت وکماعلق تکلیف الصبی ببلوغه،فان کان البحث بالنظرالی هذا المقام ،نُظر فان کانت المسألة مماینقض فیه اجتهاد المجتهد فاجتهاده باطل قطعاواذا کان فیها حدیث صحیح وقد حکم بخلافه فاجتهاده باطل ظناوان کان المجتهدان جمیعاقد سلکا ماینبغی لهما ان یسلکاه ولم یخالفاحدیثاصحیحا ولاامراینقض اجتهادالقاضی والمفتی فی خلافه ،فهما جمیعاعلی الحق هذاوالله اعلم بالصواب.(عقدالجید فی احکام الاجتہادوالتقلید ،باب بیان اختلاف المجتہدین)

خلاصہ عبارت:

چونکہ مجتہد کا قول اوراجتہادصراحۃ یادلالۃ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ گویا مجتہد شارع کی ترجمانی میں عامۃ الناس کو یہ مسئلہ بتارہا ہے کہ شارع یہ بات کہنا چاہتے ہیں،اس لحاظ سے اجتہاد کے باب میں دومقام ہیں ایک تو یہ کہ مجتہد نے کوئی ایک معنیٰ یا علت کوخود مرادلیاہے کوئی دوسری چیز مرادنہیں،اگراس طرح کا موقع ہوغیرمعین کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوگا،دوسرانہیں۔

دوسرامقام نیابت شارع میں مجتہد کا یہ ہے کہ شارع نے کسی موقع پرایساحکم دیاہے جومحتاجِ تحری ہے،بلاغور کئے ہوے مراد واضح نہیں (اورنہ ہی شارع نے کوئی ایک معنیٰ یا علت معین مرادلی ہے،جیسا کہ مقام اول میں تھا) تواس مقام پراحکام دونوعیت پر ہیں،ایک تو یہ تحری جو یہاں مجتہد اجتہاد کی شکل میں کررہاہے وہ تحری واجتہاداگرکسی نص قطعی کے خلاف ہے وہ اجتہاد قطعاً باطل ہے،اوراگر وہ کسی ظنی دلیل کے معارض ہے مثلاً حدیث صحیح کو وہ حکم ظناً باطل ہے۔

اوراگرمجتہدین نے اپنا فریضہ اجتہاد کرکے پوراکردیا،اوروہ اجتہادات کسی نص قطعی یاظنی کے معارض بھی نہیں توایسی صورت حال میں ہردو مجتہد عمل کے باب میں صواب پر ہیں کہ تحری جوحکم ہے شارع کا اسے اداکرچکے۔

ان تمام صورتوں میں حق وباطل اورخطأ اورصواب کے پانے نہ پانے کے باب میں مقلداپنے مجتہد کا تابع ہے،جواس کے متبوع کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔واللہ اعلم بالصواب

اسی کے قریب قریب امام الحرمین عبدالملک الجوینی الشافعی کا کلام ہے جو پہلے مصوبہ تھے،لیکن اصول فقہ میں ان کی دوسری تصنیف میں انہوں نے تخطیہ کو ترجیح دی،فرماتے ہیں:

فاقول :المختار عندی امرملتفت وکانه ملتقط من الطرفین،فهویجمع المحاسن، وذلک انا نقول للاستاذ ان عنیت بتخطیة احدهماانه لایجب العمل بموجب غلبة الظن فهذاانکار مالاوجه لانکاره اذاالمجتهد اذاغلب کاعلی ظنه امرفامر الله علیه اتباع موجب ظنه فلاان یناط لظنه لظن غیره فیتاثر به ،فان عنیت به انه کلف المجتهد وراء غلبة الظن لتحصیل امر آخر فلاوجه له ایضاًاذاالامر والاجتهاد ینضبط به وغلبة الظن حاصل.

اذاثبت هذا وتقرر انه لا تخلو واقعة عن حکم الله فنقول المجتهد مصیب من حیث عمل بموجب الظن بامرالله مخطی اذالم ینه اجتهاده الی منتهی حصل العثور علی حکم الله فی الواقعة،وهذاهوالمختار.

(البرہان۲/۱۳۲۳تا۱۳۲۵)

اختلاف التنوع

اختلاف کی ایک قسم اختلافِ تنوع ہے، بعض حضراتِ اہلِ علم اس بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ان کے مطابق اکثر فروعی اختلاف اختلافِ تنوع کی قسم سے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ فروعی اختلافات میں اختلاف تنوع کی مقدار انتہائی کم ہے، آٹے میں نمک کے برابر اور وہ وہی مواقع ہیں جہاں ہمارے فقہاء نے خروج من الخلاف کی صورتیں بیان کی ہیں، مناسب ہے کہ اختلافِ تنوع کی تعریف ذکر کی جائے۔

اختلافِ تنوع کی تعریف:

تعدد اقوال المجتهدين في اختيار الاولیٰ في المسائل التعبدية التي ثبتت مشروعيتها على انواع متعددة.

(اختلاف التنوع، حقيقته ومناهج العلماء فيه: ص۵۶)

اس تعریف سے چار باتیں بطور ملحوظات ذکر ہیں۔

(۱) اختلافِ تنوع تضاد و تناقض کا سا اختلاف نہیں کہ ایک شق کو ماننے سے دوسرے کا بطلان یا ترک لازم آتا ہو، بلکہ اعلیٰ وافضل ہونے کا اختلاف ہے۔

(۲) اختلاف تنوع کا وجود مسائلِ عبادات میں ہے، نماز، روزہ، حج، وغیرہ اس کے علاوہ معاملات مناکحات، جنایات، قضا، میں اس کا وجود نادر ہے۔

(۳) اختلاف وہاں ہے جہاں کوئی خاص دلیل اس کی مشروعیت پر دال ہو، البتہ جہاں خود دلیل ہی میں تخییر ہو تو وہ اختلافِ تنوع نہیں کہلاتا۔

(۴) اختلافِ تنوع ان مواقع پر کہلاتا ہے جب کہ کسی عبادت کی صورت ونوعیت متعدد ہوں، ورنہ جہاں عبادت کی شکل وصورت یا کیفیت ایک ہی ہو اور متعدد انحاء پر اختلاف ہو تو وہ اختلافِ تنوع نہیں بلکہ اختلافِ تضاد ہے، گرچہ جائز ہے۔

اور فروعی مسائل میں اختلاف عموماً ایک ہی صورت ونوعیت کو لے کر ہوئے ہیں، جب کہ اختلافِ تنوع میں تعددِ صور وانواع ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اکثر فروعی اختلافات اختلافِ تنوع کی قبیل سے ہیں، بلکہ فروعات میں ایک تعداد انتہائی کم اس قسم کی ہے، جیسا کہ ”اختلافِ تنوع“ کے مصنف لکھتے ہیں:

” اختلاف التنوع بمعناه السابق انما يقع بين علماء الامة في الفروع لا في الاصول، بل لا يقع –غالباً– الا في صفات العبادة وهيئاتها التي وردت عن الشارع على وجوه متعددة ، واما سائر ابواب الفقه فلا مجال لخلاف التنوع فيها ، بل الاختلاف الواقع فيها– غالباً– اختلاف تضادٍ وتناقض.

خلاصہ یہ ہے کہ اختلافِ تنوع میں ہر ایک کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی شق کو اختیار کرلے، اکثر اوقات اس میں کسی مجتہد کی اتباع کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، انسان خود بھی محض سرسری علم سے ایک شق کو اختیار کر کے اس پر عمل کرسکتا ہے، اس طرح کا اختلافِ تنوع ان مواقع میں ہے جو عبادات کی صفات ہیئات یا اذکار میں متعدد صورتوں پر وارد ہیں، اسی طرح طرقِ اصلاح وتزکیہ، دعوت وارشاد بھی اسی قبیل سے ہیں، تفسیرِ

آیات وتشریحِ احادیث میں متعدد اقوال کی یہی حیثیت ہے۔

فروعی اختلاف کی حدود

فروعی مسئلہ جسے مجتہد یا مفتی مسئلہ مجتہد فیہ اورظنی سمجھ کراجتہاوتحقیق کررہاہےتواس کے اجتہادوتحقیق کےمسلم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نص، اجماع، قواعداورقیاس جلی کے خلاف نہ ہو، ورنہ قبول نہ ہوگا۔

هوان القاعدة ان قضاء القاضى متى خالف اجماعاً،اونصاً،اوقياسا جلياً،او القواعدنقضناه ،واذا كنالانقر حكماتاكد بقضاء القاضى فاولى ان لانقر اذالم يتاكد ،فعلى هذا لايجوزالتقليد فى حكم هوبهذا لانالانقره شرعاً،وماليس بشرع لايجوزالتقليد فيه. (الفروق للقرافی ۲/۱۰۱)

اصول مکفرہ سے تکفیر یا ترک تکفیر

جومسائل اصولی اورعقائد کی قبیل سے ہیں، اور مکفرہ یعنی ان سے کفرلازم آتاہے، لیکن اس موقع پرفقہاء نے لکھاہے کہ کسی بھی اصل مکفرہ کے پائے جاتے ہی وہ قوم کافرقہ کافرنہیں کہلائے گا، بلکہ وہ اصل اگرچہ مکفرہے، لیکن اس سے اس فرقہ کوکافرمطلق کافتوی دیاجائے گا کہ نہیں اس میں اختلاف ہے، قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

وامامن اضاف الى اللّٰه تعالىٰ مالايليق به ليس على طريق السب، ولا الردة، و قصد الكفر، ولكن ذلک على طريق التاويل والاجتهاد، والخطأ المفضى الى الهوىٰ، والبدعة من تشبيه، او نعت بجارحة،او نفى صفة كمال،فهذا ممااختلف السلف و الخلف فى تكفير قائله ومعتقده. الخ (الشفاءمع شرحہ للقاری ۵/ ۳۵۸)

آگے فقہاء ومجتہدین امت کااقوال میں تردد کوبیان کیاہے، پھراگلی فصل باندھی ہے:

فصل: فى تحقيق القول فى اكفار المتاولين

قد ذكرنا مذاهب السلف فى اكفار اصحاب البدع والاهواء المتاولين ممن قال قولاً يوديه مساقه الى كفر ، هو اذا وقف عليه لا يقول بما يوديه قوله اليه، وعلى اختلافهم اختلاف الفقهاء المتكلمون فى ذلک ، فمنهم من صَوَّب التكفير،الذى قال به الجمهور من السلف، ومنهم من أباه ولم ير اِخراجهم من سواد المومنين،وهو قول اكثر الفقهاء(كأبى حنيفة، والشافعى، وغيرهما) والمتكلمين (اى أكثرهم من الأشعرية والماتريدية)،وقالوا هم فساق عصاة ضُلّالٌ،ونوارثهم من المسلمين، ونحكم لهم باحكامهم.

ذراآگے تحریرکیاہے:

والى نحو من هذا ذهب القاضى ابوبكر (الباقلانى)امام اهل التحقيق والحق،وقال: انها من المعوصات (المشكلات)،اذ القوم لم يصرحوا باسم الكفر ،وانما قالوا قولاًيودى اليه.

(شرح الشفالملاعلی القاری ۵/۳۷۳تا۳۷۶)

اختلاف محمود اور اختلاف غیر محمود کی صورتیں

دین میں اختلاف عقائد میں ہے اور فرعیات میں ہے اور ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں:

(۱) فروعات میں اختلاف بالعلم

(۲) فروعات میں اختلاف بغیر علم

(۳) عقائد میں اختلاف بدعة وسنة

(۴) عقائد میں اختلاف کفراً واسلاماً

بغیر علم کے اختلاف کرنا، جاہل محض ہو یا مسئلہ مبحوث عنہا کی حقیقت سے ناآشنا یہ اختلاف بغیر علم ہے اور یہ غیر محمو ہے، خواہ فرعیات میں ہو، یا عقائد میں۔

فروعات میں دلائل سے گفتگو کرنا اختلاف محمود ہے۔

عقائد میں اختلاف کی دونوں صورتوں میں حق کی جانب سے دفاع میں اختلاف محمود ہے، باطل کی جانب سے - بدعت ہو یا کفر - مذموم ہے۔

واضح ہو کہ اختلاف کی محمودیت و مذمت اس کی حقیقت میں ہے، طریق اختلاف میں بد ترجمانی سے اختلاف کی حقیقت نہیں بدلتی، ہاں طریق پھر محمود و مذموم کہلائے گا۔

مسلکی رواداری کے رہنما اصول

اسلام وہ عظیم التوسع دین ہے کہ جن سے اختلاف ہے، اور وہ اختلاف شرعاً محمود بھی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن سے اختلاف ہے ان سے نفرت کی جائے، نفرت کا ابواب اسلام تقریباً نہ کے برابر ہیں اور جو ہیں بھی وہ مبنی بر اسباب ہیں، اشخاص و افراد سے اس میں بھی نفرت نہیں، باستثناء صورِ قلیلہ کمدعی النبوة ساب نبی فی الانبیاء والصحابة وغیر ذلک

☆ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے، اللہ ورسول سے خیر خواہی خواص وعام سے خیر خواہی، عوام میں مسلمان آتے ہیں، ان سے خیر خواہی، جن سے اختلاف کفریہ عقائد کا ہو، یا عقائدِ بدعیہ کا ہو، ان سے نفرت ودشمنی تعلیم کا کوئی شرعی ثبوت نہیں سوائے ردِ جمیل کے، نفرت کی تعلیم نہیں۔

جو مواقع محلِ اختلاف ہیں ان میں پڑنے کا اہل صرف وہی شخص جو اختلاف کا مالہ و ماعلیہ کی حیثیت ومرتبہ سے واقف ہو، اور جتنی واقفیت اس کو ہے بس اتنا ہی اس اختلاف کا حصہ بننا اس کے لئے جائز ہے، اپنے بساطِ علم وسکت باہر قدم رکھنا خود ایک گناہ ہے، بغیر علم کے اللہ ورسول کی طرف اقوال وآراء منسوب کرنا ایسی صورت حال میں یہ تنازعِ محض ہے؛

ولا تقف مالیس لک به علم ، ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم

عن عبد اللّٰه بن عمرؓ قال : قال رسول الله ﷺ فی حدیثٍ طویل :"حتی اذالم یکن عالمااتخذ الناس رؤساً جهالاً ، فسئلوا، فأفتوا بغیر علم ، فضلوا وأضلوا.

☆ جو حضرات بنا بر علم اختلاف کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بھی اس بات کے پابند ہی کہ تبادلۂ دلائل اور اختلافی گفتگو میں عام اسلامی اصول

کوملحوظ رکھیں، اقدارِ ایمانی کی قدر کریں، اخوتِ منصوصہ کومظنونہ دلائلِ اختلاف سے باطل نہ کریں، قول لین کی وتبادلۂ بالاحسن کی پابندی کریں۔

اختلافِ محمود کے استدلال ونقاش میں کوئی ایسی اصل موجودنہیں جو انسانی و اخلاقی اقدار کو مجروح کرنے والی ہو، سب وشتم، طنز وطعن، ذاتیات سے اعراضِ مسلم میں وقوع کی ایسے وقت میں گنجائش نہیں، الا یہ کہ وہاں کوئی واقعی دلیل ہو، جیسے کوئی بدعتِ صریح، باطلِ متفق کی دعوت دینے لگے، تو ایسے شخص کی دعوت روکنے کے لئے اس حد سے گنجائش ہوگی کہ وہ حقیقت اسلام واضح ہوجائے اوراس مبتدع کا فتنہ فرو ہوجائے، ورنہ عام حالات میں اوراسلامی اخوت ومودتِ عامہ کے تحت ایک دوسرے کی تذلیل وتوہین کرنا درست نہیں۔

☆ اگر مخالف خوداس کا مرتکب ہوتا ہے کہ آپ کی تذلیل وتوہین پراتر آئے تو بموجب ’’**وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم** الخ ......انتقام لے سکتا ہے، البتہ دوشرطوں کے ساتھ، ایک تو یہ کہ بالمثل ہو، دوسرے یہ کہ وہ امر مماثل کسی مستقل دلیل علی الاطلاق سے ناجائز نہ ہو، مثلاً زید نے عمرو کے والد یا استاد یا شیخ کو برا بھلا کہا، تو عمرو کوانتقام کے وقت یہ جائزنہیں کہ وہ زید کے بزرگوں کو برا کہے۔(بوادرالنوادر ۸۱۵) جب کہ اس میں درگزر کردینا افضل واولیٰ ہے۔

☆ اہلِ علم وصالح للاختلاف حضرات بھی عقائد وفروعات کے اختلافات کا ان کی حسب حیثیت لحاظ رکھیں، فروعی اختلاف کو آج تک متقدمین ومفسرین اکابر وصلحاء سب رحمت کہتے ہیں، انہوں نے فروعی اختلاف کے سبب منازعت تفرقہ اورتحزب سے شدید انکار کیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا عمل یا دوسرے کی حرکت پرخاموشی اور مداہنت ان تمام علماء وصلحاء کی مخالفت شمار ہو، اور ہم ایک نئے تحزب وتفرقہ کے خودشکار ہوجائیں، اسی طرح عقائد کے ابواب میں بھی کچھ مسائل تو عقائد کے مسالک ومذاہب کے مابین مختلف فیہ ہیں، ان کی حیثیت کو واضح کریں، عقائد کے کچھ اختلاف ازقبیل ظنیات ہیں، جوانتہائی معدودے ہیں، تاہم مختلف فیہ ہونے کے باعث قطعیات کی حیثیت اختیار کرجاتے ہیں جب کہ دونوں کے مابین فرق ہوتا ہے۔

☆ النصح لکل مسلم کے عمل کی کوشش رہے کہ اگر کوئی واقعی کفریہ وبدعیہ عقائد میں پڑا ہے تو کون سی ایسی صورت ہو کہ یہ ان سے باہر آجائے۔

☆ قول لین اور مجادلہ بالاحسن جو مامور بھا ہیں اور شیوہ انبیاء ہے، اسے اپنا شیوہ بنائے۔

☆ سب سے بڑھ کر جستجو حق کی نیت پیدا کرنی چاہئے، اس وقت بندہ کے نزدیک ایک ایسی حد ہے جہاں آکر سارے اختلافات ختم ہوجاتے ہیں اس پر ساری امت متفق ہے، اور ہر مسلک ومشرب والے اس پر متفق ہوسکتے ہیں، وہ ہے اخلاص للہ اور جستجوئے حق ہے، جب تک قبولِ حق کی نیت نہ ہوگی، اس وقت تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہونے والا ہے، اخلاص للہ اور جستجوئے حق کو پیدا کیا جائے، مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے مزعومہ چڑھے درجہ سے نیچے اترنے ہی کو نہیں تیار ہیں کہ کسی سیڑھی سے نیچے اتر کر جو جواز کی صورتیں ہیں اعتدال وشرعی حدود کے دائرے میں داخل ہیں اس کو قبول کرلیں، اسلاف کے حالات میں غور کریں جن کے نام سے آج ہم دوسرے کو متأثر کرتے ہیں ان کے سامنے اپنے ان کے فدائی ہونے کا احساس دلاتے ہیں، ان کی باتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، انہیں سے یہ اختلاف ورثہ میں ملا، انہیں کے اختلافات کو ہم آگے بڑھا رہے ہیں ، اور خود اسی اختلاف میں انہیں کا طرز اختیار کرنے سے ہم گریز کرتے ہیں، ان کا اسوہ ہمیں عار ہے چند ٹکے کہ موہوم عزت وشہرت کی خاطر ان کی بتلائی واپنائی ہوئی نیت کو ترک کئے ہوئے ہیں، اسلاف کا یہ حال تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مناظرہ میں حق وصواب ہمارے فریق کے منھ سے نکلے، ا ورہم قبول کرلیں، کیونکہ ہماری زبان سے حق نکلا تو ایسا نہ ہو کہ دوسرا اپنی ہزیمت کی عار میں حق کا انکار کربیٹھے، اورہم تبادلۂ دلائل اور مناقشہ میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم سامنے والے کو دلائل کی بنیاد پر ذلیل کرکے رکھ دیں۔

☆اس موقع پر ایک بات اور بھی اہل حق مسلمانوں کے حق میں سنگین درجہ رکھتی ہے کہ بعض ہمارے اہل علم وفضل علماء کہیں ایسے مواقع پر مدعو ہوتے ہیں جہاں ایسے حضرات جمع ہوں جن سے اختلاف عقائد کا ہے، بدعت کا ہو یا کفر، اتفاق کے موضوع پر ایسی مجمل اور مبہم تقاریر سے کام لیتے ہیں جن سے خود اہل حق مسلمان اور سادہ لوح لوگوں پر منفی اثرات پڑتے ہیں، رہا یہ اشکال کہ اگر اجتماعیت کی مصلح سے اس طرح کے بیان دینے میں حرج ہی کیا ہے آخر امت کی شیزارہ بندی اور تشتت وافتراق سے حفاظت بھی تو ایک بڑی مصلحت ہے؟ تو اس کا جواب آگے آتا ہے۔

☆عموما حضرات اہل علم مذکورہ مواقع پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں، اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے فہم میں غلطی کرتے ہیں، اس موقع سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا وقیع کلام بلفظہ نقل کیا جاتا ہے:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولاتفرقوا، واذکروا نعمة اللّٰه علیکم اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم نبعمته اخوانا. (آل عمران آیت:۱۰۳)

ان دلائل مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ کثیر الدور علی الالسنہ ہے ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے، اس کا دفعیہ ضروری سمجھتا ہوں ......اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ دیکھ لیتے ہیں ایک **جمیعا** کہ اجتماع پر دال ہے، دوسرا **لاتفرقوا** کہ افتراق سے ناہی (روکنے والا) اور اس کی قید پر نظر نہیں کرتا اس لئے محل بے محل اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں، یہ وہ غلطیٔ عام۔

اور دفع اس غلطی کا اس قدی میں نظر کرنا ہے اور وہ قید **اعتصام بحبل اللّٰه** کی ہے، جس کی تفسیر **''احکام دینیہ کا التزام اعتقادی وعملی''** ہے۔

تقریر مدلول ایت کی بلحاظ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے، کوئی نہ کرے، پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماعا اور منہی عنہ ترک اعتصام ہے نہ کہ تفریق، پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو تو اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا، بعض نے نہ کیا، تو اس تفرق سے بچنے کے لئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے، بلکہ اعتصام کے لئے تفرق کو گوارا کرلیں گے، اور اگر ترک اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو تو اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کر دیا اور بے دینی پر جمع ہوگئے تو اس اجتماع کے لئے اعتصام کو ترک نہ کریں گے، بلکہ اعتصام کے لئے اجتماع کو ترک کر دیں گے، خوب سمجھ لو۔ (بوادر النوادر ۲/ ۶۸۷)

خلاصہ یہ امت میں اجماعیت سے بہت اہم چیز ہے دورائے نہیں دلائل بھی اپنی جگہ صحیح تاہم حق کی حفاظت اور دفاع اجتماعیت سے اونچا درجہ رکھتا ہے۔

سوال نمبر ا کا جواب

☆ جیسا کہ اختلاف کی تعریف میں گذرا کہ اختلاف کا اہل صرف صاحب علم ہے، لہٰذا عامة الناس کو اس بات کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ اس اختلاف کی حیثیت عقائد جیسی نہیں اور نہ ہی غیر علماء اس بحث میں حصہ دار ہیں۔

☆اس بات کی بھی ذمہ داری علماء کی بنتی ہے اسباق، تقاریر و کتابات میں مسلکی رد و قدح میں ائمہ اعلام کی اقدار کو ملحوظ رکھیں، اپنی ذرا سی

افہام وتفہیم کی صلاحیت کا ان حضرات کے شان علمی سے مقابلہ نہ کریں ہماری حقیقت یہ ہے کہ ہم زیادہ دے زیادہ محقق ہیں، اور ہمارے خلاف بھی ہیں تب بھی مجتہد ہیں، لہٰذا قولاً وعملاً کسی بھی طرح ان کے تحقیر سے بچنا علم کی قدر دانی کا حصہ ہے، اور علماء وفقہاء امت کی توہین علم وفقہ کی توہین ہے۔

اہل افتاء کا اختلاف

☆ سوال نمبر ۱ میں ایک بات صراحتاً رہ گئی گو ضمناً داخل ہے وہ یہ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ **اختلاف المفتیین کاختلاف المجتهدين** مفتیوں کا اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی طرح ہے، جیسے دو الگ الگ ائمہ کے مقلدین الگ الگ مسائل پر عمل کرتے ہیں فروعی مسئلہ میں، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ دو مفتیوں کا اختلاف ہو جائے، چاہے وہ دو مفتی ایک ہی امام کے مقلد ہوں یا الگ الگ، ایسی صورت حال میں یہ دو فتاویٰ بھی دو اماموں کے قول کے مثل قابل عمل ہیں۔

☆ یہاں ہمارے اہل فتویٰ کی بڑی چوک یہ ہے ایک مفتی یا دارالافتاء دوسرے مفتی یا دارالافتاء کے ساتھ اس مسئلہ میں کما حقہ رواداری نہیں کرتا، اور اسے بہت خوبصورتی سے عقلی اختلاف کا رخ دے دیتے ہیں، یا مکتبہ فکر کا اختلاف بنا دیتے ہیں، جو انتہائی سنگین صورت حال ہے، ہندو پاک کے علاوہ باہر بھی یہ صورت حال موجود ہے۔

☆ اس صورت حال پر قابو پانے کی ایک شکل یہ ہے کہ جب کسی اہل فتویٰ یا کسی دارالافتاء کا دوسرے سے فتویٰ میں اختلاف ہو جائے تو سب سے پہلے اس کی نوعیت کو اپنی طرف سے واضح کر دیں یہ فتویٰ عقائد کا ہے یا فروع کا، نیز فروع میں بھی آزادی نہیں کہ جو چاہے اجتہاد کر کے فتویٰ دے دیا جائے، جیسا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت گذری کی مسئلہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس میں نقض قضا ہو جائے۔

نقض قضاء

نقض مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس امر پر ائمہ اربعہ کی متبعین علماء فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہے تو ہر مذہب کا مفتی اپنے مسلک کے مطابق ہی فتویٰ دے گا، لیکن اگر وہ مسئلہ کسی قاضی کے یہاں پہونچ جائے اور مسئلہ دو مذاہب میں مختلف فیہ ہے تو قضائے قاضی کے بعد اب کسی مفتی کے فتویٰ پر عمل کسی کے لئے درست نہیں، ہاں البتہ اگر قضائے قاضی نص، اجماع، قواعد، یا قیاس جلی کے خلاف ہے تو اسے دوسرا قاضی ختم کر سکتا ہے۔

هو ان القاعدة ان قضاء القاضي متى خالف اجماعاً، او نصاً، او قياسا جلياً، او القواعد نقضناه، واذا كنا لانقر حكماتاكد بقضاء القاضي فاولى ان لانقر اذالم يتاكد، فعلى هذا لايجوز التقليد فى حكم هو بهذا لانا لانقره شرعاً، وماليس بشرع لايجوز التقليد فيه.

(الفروق للقرافی ۲/۱۰۱)

☆ چنانچہ اہل افتاء کو مخالفت کے وقت میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر باہم مختلف فیہ مسئلہ ان میں سے کسی کے خلاف ہے تو اس بات کو واضح کر دیں اور دوسری کی صفائی کو بھی سنیں۔

☆ اور اگر ان چاروں میں سے کسی کی مخالفت نہیں پائی جاتی تو خدارا اس مسئلہ کو فروعی ہی رہنے دیں اصولی و مکتبہ فکر کا نہ بنائیں۔

☆ نیز اپنی تحریر اور حلقہ والوں سے بھی اس نوعیت کی وضاحت کر دیں کہ اس مسئلہ میں عندیہ کیا ہے تا کہ عوام علماء کے آپسی اختلاف کو وہ بھی

فروعی تنازع یا بدظنی، یا اس سے بھی آگے پہونچنے سے روک سکیں، سینکڑوں مثالیں ہیں کہ دو اختلافی فتوؤں کی وجہ سے اچھے خاصے لوگ علماء سے بدکلامی، بدزبانی، طعن وتشنیع اور بدسلوکی تک پہونچ جاتے ہیں۔

سوال نمبر۳ کا جواب

☆ عقائد میں اختلاف کرنے والا اگر داعی ہواور مسئلہ مکفرہ یا مضللہ ہو، تو وہ غیر داعی کے مقابلہ زیادہ مستحق ہے تردید وانکار کا، داعی کا فتنہ فروکرنا بہرصورت ضروری ہے، اگر ہم اپنے آپ کو اہل حق کہتے ہیں تو ضروری ہے اس کا دفاع کریں، حق قطعی کو مسخ کر کے مصالح مظنونہ کی حفاظت کسی طرح بھی درست نہیں۔

☆ عقائد کے جو مسائل حقیقی اختلاف رکھتے ہیں، جن کی نوعیت کفر یا کم ازکم بدعت کی اور کوئی شخص اس کی طرف دعوت بھی دے رہا ہے تو ایسے شخص کی غیبت اور ذاتیات سے تعرض بھی جائز ہوگا، ایک کی سب سے بڑی دلیل محدثین کا عمل ہے جنہوں نے روایت کے صحت وسقم کے بیان کرنے کے لئے راویان کے ذاتیات سے بحث بھی کی، نیز کسی راوی میں اگر کوئی بدعت رہی ہوتو داعی ہونے اور غیر داعی ہونے کا فرق بھی کیا ہے کہ داعی الی البدعۃ کی روایت کو زیادہ ضعف پر مشتمل قرار دیا ہے، نیز فقہاء نے بھی بعض صورتیں لکھیں ہیں کہ جن میں انسانی نفع وضرر کے پیش نظر غیبت کو جائز اور بعض مرتبہ واجب قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ حق کی حفاظت اور دفاع سے بڑھ کوئی چیز نہیں، مقاصد میں بھی حفظ عرض حفظ دین دودرجے موخر ہے۔

☆ لیکن اس درجے میں اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس طرح درحقیقت کسی کی عرض میں پڑنا ایک حرام کام ہے، اس کی گنجائش ایک خاص مقصد کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اس غیبت کو بھی جب شرعی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا اور اس وقت تو درست ہوگی، ورنہ وہ ذاتی دشمنی اور انسانی بھڑاس بن جائے گی، اس لئے اس کی حد یہ ہوگی کہ یا تو اس مبتدع کا فتنہ فرو ہوجائے یا پھر اس کی اصلیت سب کو عیاں ہوجائے، اس کے بعد یا اس سے زیادہ اِس حد تک اتر آنا کہ اسے اپنی ہوائے بہیمانی کا نشانہ بنالے، یا خود میں کبر پیدا ہوجائے، دوسرے کو حقیر یا ذلیل سمجھنے لگے جائز نہ ہوگا۔

☆ نیز ان صورتوں میں وہ کام بھی جائز نہ ہوجائیں گے ہو اصالۃ شرعاً حرام ہیں، مثلاً جھوٹ، بہتان، الزام تراشی، جو شخص معاملہ میں دخیل نہیں اور داعی نہیں اس کو بیچ میں لانا۔

☆ جب یہ بات واضح ہوگئی (جیسا کہ تفصیل حضرت تھانوی کے کلام میں گذری) کہ اجتماع سے زیادہ اہمیت اعتصام یعنی حق کے التزام اور اس سے دفاع کی ہے تو اجتماعیت کے تحفظ اور بقاء کے لئے کوئی بھی ایسی شکل اختیار کرنا جو اعتصام سے ہٹی ہوئی ہو درست نہیں، سچ ہے کہ اس وقت اگر جتماعیت ہوجائے تو عالم کا نقشہ دوسرا ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہے تاریخ میں کوئی اسلام کی خاطر قابل قدر خدمات اگر ہوئی ہے تو تنہا اہل حق کی ہے، اور اگر کسی دوسرے سے منقول ہے تو اس کی حیثیت بھی حدیث پاک سے واضح ہوجاتی، **ان اللّٰہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر** کہ اللہ تعالیٰ تو دین کا کارنامہ کسی فاجر سے بھی لے سکتے ہیں (فاجر کے عموم میں کافر بھی داخل ہیں، کما قالہ ابن بطال وابن حجر والقرطبی)۔

☆ بدعت سے مراد وہ ہے باتفاق اہل علم وسلف بدعت ہو، اور جہاں کسی بھی طرح اجتہاد کی گنجائش ہو وہ بدعت نہیں۔

☆ جو مسائل اصولی اور عقائد کی قبیل سے ہیں، اور مکفرہ یعنی ان سے کفر لازم آتا ہے، اگر کوئی اس قسم کے کسی مسئلہ کی بنا پر کسی فرقہ کی تکفیر کا قائل ہوتا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا عندیہ واضح کرے کہ وہ کس میں سے ہے؟

جیسا کہ پہلے شفا اور شرح شفا کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے یہاں کسی بھی اصلِ مکفرہ کے پائے جاتے ہی وہ قوم کا فرقہ کافر نہیں کہلائے گا، بلکہ وہ اصل اگر چہ مکفر ہے، لیکن اس سے اس فرقہ کو کافر مطلق کا فتوی دیا جائے گا کہ نہیں اس میں اختلاف ہے۔

اس لئے کسی کے بارے میں تضلیل سے بڑھ کر بدعت مکفرہ کی تحقیق واثبات کیا جارہا ہے تو چاہئے کہ یہ بھی واضح کردیں کہ وہ مکفرہ کے سبب تکفیر کے قائل ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ہیں تو کسی خاص مسئلہ وصورت میں یا عام تکفیر کا قول ہے؟

سوال نمبر ۴ و ۵ کا جواب:

☆ رافضی اور شیعوں کے بارے میں علماء ہندو پاک کے فتاوی بالکل واضح ہیں، یہ فرقہ کسی بھی طرح اسلامی نہیں، اور ان سے معاملات، معاشرات، مناکحات، ہر باب میں فتاوے موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ یہ مرتد اور کافر کے حکم میں ہیں۔

☆ ہاں اس صورت حال پر قابو پانا ہمارے علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مارکاٹ کا سدباب کریں، اختلاف کو نظریات اور فتاوے پر عمل تک ہی محدود رکھیں، لڑائی جھگڑا، ان کے کسی عام آدمی ہی کا قتل چہ جائے کہ کسی رہنما کا قتل انتہائی خطرناک بات ہے، اور چونکہ جہاد کے لئے متعدد شرائط ہیں، جیسے امیر المومنین وغیرہ جو کہ مفقود ہیں اس لئے ان سے لڑائی کو جہاد کا نام دینا اسلامی شعار کی توہین ہے۔

☆ رہی یہ بات کہ ان کے ساتھ پرامن زندگی کیسے گزاری جائے؟ تو سوال یہ ہے کہ پرامن رہنے سے منع کس نے کیا ہے؟ کون اس میں رکاوٹ بنا ہے؟ جب یہ خود اعداء اسلام کے تلوے چاٹ رہے ہیں تو ہم اپنی ذات تک کتنے ہی پرامن سہی ان کی ریشہ دوانیوں سے اطمینان کیونکر ہوسکتا ہے؟

اگر ان کے علماء سے کسی طرح کی گفت وشنید اور قرار ممکن ہی ہو تو وجہ اختلاف ہی کو ختم کرنے کی کوشش ہونے چاہئے، یعنی حق وباطل کا فیصلہ کرالیا جائے .... جو جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

جھوٹ کا عبادت ہونا، خاص ہمارے فرقہ سے اختلاف اور عناد رکھنا، ہم کو مارنا، ستانا، گوکسی معمولی درجہ کا سہی، کوئی موقع ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے نہ چوکنا، آج تک کی تاریخ کے مطابق اس مذہب میں عبادت سمجھا گیا ہے، اس کے علاوہ موقع پڑنے پر تقیہ کرلینا جن شیوہ ہو ان سے کیا امید کی جائے گی کہ وہ کسی طرح کا امانی قرار ہم سے پاس کرلیں؟

اور کر بھی لیں تو ان کی عادت مستمرہ کے مطابق غدر ومکر سے کہاں امان ہوگا؟ تاتاری یورش میں اس کردار سے لیکر مغلیہ دور تک کی کہانی تو کتابوں کی زینت تھی، لیکن ایران کی مسلم دشمنی کی زندہ مثالیں اور اس کا مسلم حکومتوں سے بغض وعناد اور دشمنان اسلام کی کاسہ لیسی، اور خود آج کے bjp کے ارکان پارلیمینٹ بن مسلمانوں کو بیف کھانے پر پاکستان بھیجنے کی بات کرنا یہ سب وہ شواہد ہیں کہ ان کے ضمیر ترجمان ہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ بیف والے بیان پر شیعوں کے کسی قابل قدر عالم ومجتہد نے کوئی بیان اس کی مذمت تک میں نہ دیا۔

بس ہمارا زور ہے تو اپنے عوام پر ہے ان کو ایسی باتوں سے روکا جائے جو فتنہ کا باعث بنیں، یا نقض امن کا خطرہ بن جائیں، خصوصاً جب مسلمانوں کی جان آبرو مال کے نقصان کا خطرہ ہو تو بہت ہی سوجھ بوجھ کر اکابر کی رہنمائی سے کوئی قدم اٹھائیں۔

☆ بین المسالک اختلافات پر اکیڈمی کا پہلا سیمینار ہو کہ نہیں .... لیکن حالات زمانہ مسلم عوام وخواص حتی کے اکابر تک کا حال ہے یہ ہو چکا ہے کہ ان مواقع پر ان کی جانب سے اصرار ہونے لگا ہے کہ جو کہ درحقیقت اختلافی ہی نہیں، بلکہ غیر حقیقی اضافی اختلاف کے ہیں، یا اختلاف تنوع کی قبیل سے ہیں، مثلاً تفسیر آیات یا تشریح احادیث اسی طرح طرقہائے دعوت وارشاد اور تزکیہ واصلاح نفس کی صورتیں جن میں تو کسی ایک

پہلو پر کوئی شرعی دباؤ ہی نہیں بلکہ سب مناسب حال کسی خاص طرز عمل ونوعیت کو اپنانے کے مختار ہیں، لیکن بعض وہ حضرات بھی اس فہرست میں آتے ہیں کہ جن کو عوام میں اور کسی کسی قدر خواص میں بھی ایک مقام حاصل ہے یا وہ اکابر میں شامل ہیں، اس لئے ان حقیقی اختلاف کی صورتوں کو اگر ان کی حقیقت وحیثیت کے لحاظ سے ابھی ہی نہ پیش بندی کی گئی اور علماء اس سے تساہل برتتے رہے تو آئندہ ان حقیقی اختلاف کے بجائے اضافی وغیر حقیقی اختلافی مسائل ہمارے سر آجائیں گے۔

محمد توصیف انصاری قاسمی
استاذ معہد الشریعہ لکھنو